ڈاکٹر صباحت مشتاق
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو
بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

حمد کے اولین نقوش اور مصری ادب

All the classics and forms of Art and Literature are still associated with Greece. Although Egyptian and Iraqi literature are more ancient. Egyptian religious and Non religious literature both are admireable. "Hamd" is linked with the creation of Universe. Egyptian Hamd is about God and Godes Akhnaton (pharaoh) wrote for his God "Aatin". His writings are quite similar with old testimne of Bible and Psalm. It shows how Israilians literature and Egyptian literature influence each other. In these Hamds similies, metaphors and sounds help in makind attractive images. Akhnaton's poetry is a best example of natural poetry. All poems have same subject and quite similar in content, but variation in text is because of different Gods and Godes. so the thought about God which we named "Hamd" we can concieved or can see in Akhnaton's writings.

ہم جب ادب کا جائزہ لیتے ہیں (صرف اردو ادب ہی مراد نہیں) یا اُسے مختلف اصناف میں تقسیم کرتے ہیں یعنی افسانہ، ناول، ڈراما، شاعری اور تنقید تو ان اصناف کی جڑیں (Roots) تلاش کرتے ہوئے ہماری تان یونان پر آن ٹوٹتی ہے حالانکہ یونانی تہذیب سے بہت پہلے کا حیران کن حد تک متنوع ادب ہمیں تحریری صورت میں محفوظ ملتا ہے۔ یہ مصر اور عراق کا ادب ہے جو تخلیقی لحاظ سے کم از کم ساڑھے چار ہزار سال قبل مسیح کی قدامت کا حامل ہے۔ چیز کوئی بھی ہو جب اس کی ابتدائی صورت پر نگاہ ڈالی جائے تو وہ کچھ نامانوس اور مبہم سی محسوس ہوتی ہے مگر بار بار کی تراش خراش اُسے بڑا مکمل اور واضح کر دیتی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو سب سے مشکل اور کٹھن مرحلہ کسی چیز کی ابتدا ہوتی ہے اور وہ ذہن قابلِ تحسین ہیں جو نئی بات سوچتے اور اس کی تجسیم کرتے ہیں اگرچہ بعد میں آنے والے اس چیز کے حسن میں اضافہ کرتے چلے جاتے ہیں۔

ادب کی تمام موجودہ اصناف ہمیں مصر کے قدیم ادب میں ملتی ہیں اور اگر آج بھی ہم ان کو فنی اعتبار سے پرکھیں تو یہ اصناف اتنی ہی مکمل ہیں جتنا ہمارا آج کا موجودہ ادب۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مصریوں نے جتنا ادب بھی تخلیق کیا بحیثیت مجموعی وہ اعلیٰ پائے کا ادب ہے۔ اس ادب کو ہم دو بڑے حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

۱۔ مذہبی ادب

۲۔ غیر مذہبی ادب

اب یہاں مذہبی ادب کا ذکر آتا ہے تو ذہن میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ کیا ان لوگوں کے ہاں مذہب کا تصور موجود تھا؟ اور اگر

تھا تو کیا تھا؟ اس بات میں شک نہیں کہ جب سے دنیا وجود میں آئی اُسی وقت سے معبود کا تصور بھی موجود ہے گو معبود کا تصور بدلتا رہا یا ابتدا میں زیادہ واضح نہ تھا لیکن موجود ضرور تھا۔ اسی طرح جو ادب معبود کی توصیف اور کبریائی بیان کرے وہ مذہبی ادب کے دائرے میں آتا ہے۔ اس دور کے مذہبی ادب میں خدا کا تصور جیسا بھی ہے بہر حال فکر انگیز ضرور ہے۔

حمد کا آغاز کائنات کی تخلیق کے ساتھ ہی ہو گیا تھا۔ کائنات کی ہر شئے خدائے لم یزل کی تسبیح اور تقدیس میں ازل سے مصروف ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ بھی حمد تھی۔ تمام آسمانی صحیفے اور کتابیں بھی حمد کی تعریف میں آتے ہیں۔ قرآن مجید کی ابتدا ہی خدا نے اپنی حمد سے کی ہے اور سورۃ فاتحہ کو حمد ربانی کا شاہکار قرار دیا جا سکتا ہے۔ جس طرح خدا کی ذات لامحدود ہے اسی طرح حمد کا موضوع بھی اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔

انسان کی ابتدائی زندگی پر غور کیا جائے تو وہ موسموں کی شدت، زلزلے اور طوفانوں سے خوفزدہ نظر آتا ہے اس کا شعور ان سب کو سمجھنے سے قاصر ہے چنانچہ وہ ان تمام عناصر کو خود سے برتر تصور کر کے انہیں دیوی، دیوتا مان لیتا ہے اور پرستش کرنے لگتا ہے کیونکہ اس وقت انسان کو اپنی ذہنی طاقت اور برتری کا شعور نہیں تھا۔ اپنے تحفظ اور مفاد کے علاوہ انسان نفسیاتی طور پر کسی سے مرعوب ہو کر بھی اس کی تعریف وثناء کرتا ہے مگر حمد جو صرف خدا کے لئے ہے اس میں انسان مجبور بھی ہے اور مرعوب بھی۔

لفظ ''حمد'' عربی زبان کا لفظ ہے۔ مونث ہے اور اس کا مطلب ہے تعریف وتوصیف مگر صرف خدا کی تعریف وتوصیف۔ یہ لفظ صرف خدا کی تعریف وتوصیف کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ثناء کسی انسان کی بھی ہو سکتی ہے لیکن حمد صرف خدا کی ہوتی ہے۔ آج ہمارے ہاں خدا کا جو تصور ہے یعنی ''قادرِ مطلق'' کا تصور۔ یہ بھی ہمیں تحریری طور پر مصریوں کے ہاں ملتا ہے اور اس تصور پر مبنی پہلی حمد بھی ایک فرعون کی تخلیق ہے۔ مصریوں نے جو حمد یہ شاعری کی وہ زیادہ تر دیوی دیوتاؤں کے متعلق ہے یا ان کی شان میں یا پھر بادشاہوں کی تاج پوشی کے مواقع پر لکھیں۔ اس شاعری کا اگر مطالعہ کیا جائے تو اس دور کے مذہبی تصورات کا اندازہ ہوتا ہے کہ فرعون اخناتون نے کوئی ساڑھے تین ہزار سال قبل اپنے معبود ''آتن'' کی شان میں جو حمد کہی وہ دنیائے ادب میں اپنے فنی حسن اور مذہبی افکار کے لحاظ سے اعلیٰ مقام کی حامل ہے اور بعد میں لکھی جانے والی حمدوں پر اس کے اثرات اور اس کا رنگ نظر آتا ہے۔ اخناتون کے دور ہی سے ہمیں خدائے واحد کا تصور نظر آتا ہے۔ اخناتون وہ فرعون تھا جس کی زندگی اور حالات کی جھلک ہمیں مہاتما بدھ کے ہاں نظر آتی ہے کہ سب کچھ میسر تھا۔ مال ودولت، تاج وتخت بلکہ دیوتا اور معبود کے درجے پر فائز ہوتے ہوئے بھی ایک شخص اس بات سے انکار کر دے کہ معبود وہ نہیں بلکہ خدا کوئی اور ہے یا کوئی اور ہستی ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ یہ بات مذہبی نظریات میں یقیناً ایک انقلاب ہے کہ سامنے موجود کسی نہ کسی حوالے سے طاقت کی حامل چیزوں کو رد کر کے ایک نظر نہ آنے والی چیز کو قادرِ مطلق تصور کرنا اور پھر اس کی جستجو کرنا بڑا عجیب لگتا ہے۔

فرعون اخناتون جب یہ کہتا ہے کہ میں خدا تک پہنچنے کا راستہ ہوں تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ وہ خدا کے وجود کا منکر ہے اور خود کو خدا کے رُتبے پر فائز کئے ہوئے ہے۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو صورتحال یکسر مختلف ہے۔ خدا کا راستہ دکھانے والا خدا نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کا مطلب خدا ہونا ہوتا ہے۔ فرعون اخناتون کے ان الفاظ کو اگر دیکھا جائے تو میرا اپنا خیال ہے کہ اس کے ذہن میں یہ بات ہوگی کہ اس کی رعایا چونکہ اسے ایک ماڈل یا سمبل کے طور پر دیکھتی ہے۔ اس کی ہر عادت اور ہر بات لوگوں کے لئے پسندیدہ

ہے۔ وہ بلاشک وشبہ اس کی ہر بات مانتے ہیں تو اس بات سے کیونکر انکار ہوگا کہ جب وہ کہے کہ آؤ میں تمہیں خدا کا راستہ دکھاؤں تو وہ اس بات پر یقین نہ کریں۔ اُسے یہ بھی گمان ہوگا کہ اس کی رعایا اس کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے خدا تک ضرور پہنچ جائے گی اور اُسے ضرور پہچان لے گی۔ معلوم نہیں یہ کہنا کہاں تک درست ہوگا کہ اخناتون نے وہی کام کیا جس کے لئے خدا نے رسول بھیجے اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ بلاشبہ رسول ہی خدا تک پہنچنے کا راستہ ہوتے ہیں اور ایک فرعون کی بات کو صرف اس لئے رد کر دینا یا اس کا مفہوم غلط سمجھنا کہ وہ ایک فرعون تھا اور اس کے ذہن میں خدا کا تصور ہو ہی نہیں سکتا درست نہیں۔ جو لوگ تاریخ کے قاری ہیں اور مصر کی قدیم تاریخ سے واقف ہیں وہ یہ نکتہ اٹھا سکتے ہیں کہ اخناتون کا دور سیاسی وسماجی اعتبار سے انتشار اور بدامنی کا دور تھا۔ بغاوت کھل کر ہوئی مگر چونکہ اخناتون قتل وغارت سے نفرت کرتا تھا اس لئے حالات کو سنبھالنے میں ذرا دیر لگی اب اس صورت حال میں بادشاہ وقت جو معبود بھی تصور کیا جاتا ہو وہ خود اعلان کر دے کہ خدا وہ نہیں بلکہ کوئی اور ہے تو ایک عجیب صورت حال جنم لے سکتی ہے۔ ایسی صورت میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس نے لوگوں کی سوچ کا رخ موڑنے کے لئے دانستہ ہر حربہ استعمال کیا ہوگا تا کہ لوگ سیاسی صورت حال کی بجائے اس نکتے پر سوچیں لیکن اخناتون کی زندگی کا مطالعہ اس بات کو رد کر دیتا ہے کہ یہ اس کا کوئی سیاسی حربہ تھا۔ رہ گئی بات یہ کہ اس نے وہ کام کیا جس کے لئے خدا نے رسول مبعوث کئے بذاتِ خود متنازعہ یہ ہے کہ ایک فرعون کو رسولوں کا ہمسر قرار دیا۔ تاہم یہ قارئین کی اپنی سوچ پر ہے کہ وہ اخناتون کے عمل کو اور سوچ کو کس رنگ میں دیکھتے ہیں مگر وہ بلاشبہ ایک مختلف سوچ رکھنے والا شخص ضرور تھا۔

اخناتون سے پہلے بھی حمدیں لکھی گئیں جو زیادہ تر دیوی دیوتاؤں کے لیے تھیں۔ اس کے علاوہ بادشاہانِ وقت دریائے نیل اور سورج کے لئے بھی لکھی گئیں۔ ان حمدوں میں اس دور کے مذہبی عقائد، روایات اور رجحانات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کے رویے اور احساسات کا بڑا واضح اظہار ان حمدوں میں نظر آتا ہے۔ نیل کی حمد کے مطالعے سے لوگوں کے احساسات کا اندازہ کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ اس حمد میں سیلاب، اس کی تباہ کاریوں اور اس سے پیدا ہونے والے حالات کو تین طرح سے بیان کیا گیا ہے۔ حمد کی رو سے پہلے صورت یہ ہے کہ سیلاب کم آئے۔ پانی زیادہ نہ ہو تو بھوک اور فاقہ کشی نازل ہوتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ سیلاب کی زیادتی سے تباہی کی آمد اور تیسری بات حمد کے حوالے سے یہ کہ سیلاب کا مناسب حد تک ہونا مفید، خوش حالی اور مسرت کی علامت ہے۔

جب وہ دھیما پڑ جاتا ہے تو نتھنے رک جاتے ہیں [سے مراد سانس نہ آنا ہے] ہر شخص غریب ہو جاتا ہے۔

تخلیقی قدامت ۴۰۰۰ برس

دیوتاؤں کے نذرانے میں کمی آجاتی ہے
لاکھوں آدمی مر جاتے ہیں۔ لوگ مریض ہو جاتے ہیں
اور جب وہ غارت گری کرتا ہے تو پوری دھرتی خوفزدہ ہو جاتی ہے
چھوٹے بڑے سب آہ وبکا کرتے ہیں
اور جب وہ بھر جاتا ہے تو دھرتی خوشیاں مناتی ہے

پیٹ خوش ہوتا ہے ہر جبڑے کی ہڈی ہنستی ہے

ہر دانت ننگا ہو جاتا ہے [اس سے مراد ہنسنا ہے] ۱؎

مندرجہ بالا حمد میں جو شعر نیل کے لیے کہے گئے ان میں توہمات اور مذہبی عقائد کی وضاحت ہے جو نیل اور سیلاب سے وابستہ ہیں۔ اسی طرح سورج کو بھی دیوتا مانا جاتا تھا اور بہت سے نظریات اُس کے طلوع و غروب سے اسی طرح بدلتے تھے جس طرح نیل کے پانی کے اتار چڑھاؤ سے نظریات بدلتے تھے مثلاً آفتابِ صبح کی حمد جو تقریباً ۳۴۰۰ سال پہلے لکھی گئی۔۔۔

را کی تعظیم [را سے مراد سورج دیوتا ہے]

جب وہ مشرقی افق یعنی آسمان میں ابھرتا ہے

جب تو نون [سے مراد اولین آسمان] میں ابھرتا ہے

تو آگے بڑھ کر دونوں ملکوں [سے مراد زیریں اور بالائی مصر] کو منور کرتا ہے

اور جب وہ طلوع ہوتا ہے لوگ زندگی پاتے ہیں

نسلِ انسانی اس پر شاداں ہوتی ہے

تمام جنگلی جانور مل کر کہتے ہیں ''تیری توصیف ہو ۲؎

آفتابِ شام کی حمد تخلیقی قدامت ۳۴۰۰ برس

را کی تعظیم ہو

جب وہ مغربی افق پر غروب ہوتا ہے

جب وہ نون پر تیرے لئے سلامتی کے ساتھ کشتی کھینچتے ہیں [کشتی سے مراد آفتاب ہے مصریوں کا خیال ہے کہ سورج ایک کشتی میں سوار ہو کر روزانہ آسمان کا سفر کرتا ہے]

شام کی کشتی میں خوشیاں (منائی جاتی) ہیں

اے را تو ہر روز خوش جمال ہے

تیری ماں توت [آسمان کی ایک دیوی کا نام ہے] تجھے آغوش میں لے لیتی ہے

تو خوش دلی کے ساتھ اور دلکشی کے ساتھ مانون [مصر کا ایک پہاڑ] کے افق میں چھپتا ہے ۳؎

حمد کا موضوع اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ مصر میں ہمیں بے شمار موضوعات پر حمدیہ نظمیں اور گیت ملتے ہیں۔ بادشاہانِ وقت کے لیے کہی گئی حمدوں اور نظموں کو ناقدین پروپیگنڈہ ادب میں شمار کرتے ہیں مگر فنی اعتبار سے یہ حمدیں خوبصورت اور اختصار کے باوجود گہری معنویت کی حامل ہیں۔

اخناتون فراعنہ کے اٹھارویں خاندان کا دسواں فرعون تھا اس نے کم از کم نو حمدیں تحریر کیں۔ ان حمدوں کو پڑھ کر اندازہ ہوتا کہ

اخناتون خدا کو کسی فرقے یا قوم سے وابستہ نہیں کرتا۔ وہ اُسے سب کا معبود قرار دیتا ہے۔ اس کی حمدیں اصنام پرستی کی بھی نفی کرتی ہیں۔ اس کے ہاں معبود کی تجسیم کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ مصر کی پوری تاریخ میں اخناتون وہ واحد شخص نظر آتا ہے جو مذہب کو فطرت کے قریب سمجھتا ہے۔ وہ اشیا اور ان کے تغیرات کے بارے میں عقلی اور استدلالی نکتہ نظر رکھتا ہے۔ نیل کے بارے میں صدیوں سے یہ خیال راسخ تھا کہ وہ زندگی کا سرچشمہ ہے۔ اُسے لاقانونیت کے دیوتا سے مربوط کیا جاتا تھا۔ اخناتون نے ان تمام تصورات کو بالکل نظر انداز کر دیا اور اس کے سیلاب کو بھی قدرتی اثرات عوامل کا نتیجہ قرار دیا۔

اخناتون کی حمدوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا محبوب مادی خصوصیات سے پاک ہے۔ وہ واحد شخص تھا جس نے خدا کا وہ تصور پیش کیا جو رحیم ہے اور تمام انسانوں اور قوموں کو اپنی محبت میں جکڑ لیتا ہے۔ معبود کی اپنی مخلوق کے لیے بے پناہ محبت اور شفقت اخناتون کی حمدوں کا نمایاں پہلو ہے۔ وہ اپنے معبود کو قادرِ مطلق تصور کرتا ہے۔ آتن کی شان میں جو حمد اس نے لکھی اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے ذہن میں معبود کا غیر مادی تصور موجود تھا مثلاً جب وہ یہ کہتا ہے

اپنی مخلوق کو زندہ رکھنے کے لیے
سانس عطا کرتا ہے
تو اُس (انڈے) کے اندر (چوزے) کو زندہ رکھنے کے لیے
سانس عنایت کرتا ہے
تو نے اپنے دل کے مطابق دنیا تخلیق کی
سب مرد اور عورتیں، مویشی اور جنگلی جانور
جو سب دھرتی پر ہیں جو اپنی ٹانگوں پر چلتے ہیں
وہ سب جو ہوا میں ہیں اور پروں پر اڑتے ہیں
تو نے عالمِ زیریں کو نیل عطا کیا
تو نے اپنی بنائی ہوئی چیزوں کی افزائش کے لیے موسم بنائے
تو نے دور آسماں بنایا تاکہ تو وہاں درخشاں ہو
تو اپنی واحد ہستی سے لاکھوں صورتیں بناتا ہے
تو نے ان کی نظر بنائی
زمین تیرے ہاتھ سے وجود میں آئی
تو نے انہیں [اس سے مراد انسانوں سے] بنایا ؎۴

اس حمد میں کہیں بھی خدا پیکر اور صنف کا تعین نہیں ہوتا مگر اس کی قدرت اور کائنات پر گرفت کو جس طرح خوبصورتی سے بیان

کیا گیا ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے، اس حمد کے اثرات اور رنگ ہمیں زبور میں نظر آتے ہیں۔ عہد نامہ قدیم (بائبل) اور زبور کا مطالعہ کیا جائے تو اس کی آیات پر اخناتون کی حمد کی گہری چھاپ نظر آتی ہے مثلاً اخناتون اپنی حمد میں سورج کے غروب ہونے، تاریکی اور اس کے اثرات یوں بیان کرتا ہے۔

اخناتون کی حمد

جب تو مغربی افق پر غروب ہوتا ہے
دھرتی پر تاریکی یوں چھا جاتی ہے جیسے موت
ایک آنکھ دوسری کو نہیں دیکھ سکتی
شیر ببر اپنی کچھار سے باہر نکل آتے ہیں
سانپ ڈسنا شروع کر دیتے ہیں ۵

جبکہ زبور کی آیات کا بیان کچھ اس طرح ہے۔

تو اندھیرا کر دیتا ہے تو رات ہو جاتی ہے
جس میں سب جنگلی جانور نکل آتے ہیں
جوان شیر اپنے شکار کی تلاش میں گرجتے ہیں
اور خدا سے خوراک مانگتے ہیں ۶

ایک اور ٹکڑے میں مماثلت یوں ہے۔

حمد اخناتون

تیرے شاندار ظہور پر وہ اپنے ہاتھ اٹھا کر تیری ثناء کرتے ہیں
پوری دنیا کے لوگ اپنے کام کرتے ہیں
تمام درخت پودے ہرے بھرے ہو جاتے ہیں
ان کے پھیلے بازو تیری ثنا کرتے ہیں
زندہ ہو جاتے ہیں جب تو ان کے لیے طلوع ہوتا ہے
جہاز شمال کی جانب اور جنوب کی جانب رواں ہوتے ہیں
کیونکہ تیرے نمودار ہونے سے راہیں کھل جاتی ہیں۔ ۷

آیاتِ زبور

آفتاب نکلتے ہی وہ چل دیتے ہیں
اور جا کر اپنی ماندوں میں پڑے رہتے ہیں
انسان شام تک اپنی محنت کے لیے نکلتا ہے
تونے یہ سب کچھ حکومت کے لیے بنایا
یہ زمین تیری مخلوقات سے معمور ہے
دیکھ یہ بڑا چوڑا سمندر
اور اس میں بے شمار رینگنے والے جاندار ہیں
جہاز اسی سے چلتے ہیں ان سب کو تیرا آسرا ہے ۸

ایک اور جگہ یہ مماثلت یوں ہے۔

حمد اخناتون

جب تو طلوع ہوتا ہے وہ جی اٹھتے ہیں
جب تو غروب ہوتا ہے وہ مر جاتے ہیں
لیکن تو خود اپنی ذات میں (ابدی) ہے
لوگ (صرف) تیری بدولت زندہ ہیں۔ ۹

زبور

تو اپنا چہرہ چھپا لیتا ہے اور یہ پریشان ہو جاتے ہیں
تو ان کا دم روک لیتا ہے اور یہ مر جاتے ہیں
اور پھر مٹی میں مل جاتے ہیں
تو اپنی روح بھیجتا ہے اور یہ پیدا ہوتے ہیں۔ ۱۰

اخناتون کی حمد اور زبور کی آیات کے تقابل سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسرائیلوں کا ادب بھی مصر کے ادب سے متاثر رہا ہے اور مصر کے مذہبی تصورات نے بھی اسرائیلیوں کو متاثر کیا ہے۔ یہ کس طرح ہوا اس بارے میں تاریخی شواہد نہیں ملتے لیکن اندازہ ہے کہ شاید باضابطہ طور پر یہ ادب اسرائیلیوں کے مطالعے میں نہ آیا ہو لیکن سینہ بہ سینہ یہ نظریات اور تصورات اسرائیل منتقل ہوئے ہوں جو آگے چل کر زبور میں ظاہر ہوئے۔ یہ بات بھی قرین قیاس ہے کہ چند پڑھے لکھے افراد ان حمدوں کو لے کر اسرائیل چلے گئے ہوں اور پھر

انہوں نے تحریری یا زبانی طور پر یہ اپنی آئندہ نسل کو منتقل کر دیا ہو۔ ممکن ہے زبور کی یہ مشابہت صرف میرا اپنا ہی خیال ہو مگر یہ بات طے ہے کہ اخناتون کے بعد جتنا ادب بھی دستیاب ہوا اس کی حمد یہ شاعری پر اخناتون کے نظریات اور عقائد کی گہری چھاپ ہے۔ اس شاعری خصوصاً حمدوں کو آج بھی اگر ہم اپنے موجودہ اور تنقیدی معیار کے مطابق پرکھیں تو یہ فنی اعتبار سے بڑی مکمل ہے اور فکری لحاظ سے بھی اہم مقام کی حامل ہیں۔ بے شک ان کے الفاظ ہمارے لئے مانوس نہیں اور اکثر مقامات پر ہمیں تکرار کا احساس بھی ہوتا ہے مگر یہ تکرار ان کی معنویت کو کم نہیں کرتی۔

ان حمدوں میں تشبیہ، استعارہ اور خوبصورت بصری امیجز، پیکر سازی کا احساس ہوتا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ قدیم مصری شاعری میں امیجری بہت اعلیٰ پائے کی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ میں نے پہلے بھی ذکر کیا ہے کہ ادب کا جائزہ لیتے ہوئے اس دور کے حالات، ماحول اور روایات کو قطعی طور پر نظر انداز نہیں کر سکتے چنانچہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ مصری شاعری میں حسی اور بصری پیکر بڑے جاندار ہیں یا زیرِ استعمال استعارے اور اشارے بڑے خوبصورت ہیں تو ہمیں اس دور کے ماحول اور رہن سہن پر ایک بھرپور نظر ڈالنا ہوگی۔

ہمیں جتنا بھی قدیم مصری ادب دستیاب ہوا ہے وہ مقابر کی دیواروں پر کندہ صورت میں، لکڑی کے تابوتوں یا چمڑے پر تحریر شدہ ملا۔ یہ چیزیں صاحبِ ثروت لوگوں کے ساتھ دفن کی جاتی تھیں۔ مقابر سے اور بھی چیزیں ملیں جن سے اس دور کے حالات اور ماحول کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک بات قابلِ غور ہے کہ یہ تمام اشیاء جن جگہوں سے ملیں وہ تمام اصحاب صاحبِ ثروت یا شاہی خاندان سے متعلق تھے۔ اب ایسے افراد کی زندگی کتنی رنگین اور خوبصورت ہوتی ہے اس کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ ماحول کی خوبصورتی، حسن کی قربت اور ہر وقت میسر ہونا، عیش و آرام یہ چیزیں ایک خاص قسم کا ماحول پیدا کرتی ہیں اور اس ماحول کے زیرِ اثر تخلیق ہونے والی ہر چیز پر اس کا اثر ہوتا ہے اور پھر شاعری پر تو یہ چیز سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہے مثلاً اگر ہم اپنے اردو ادب کا جائزہ لیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ جو ادب درباری ماحول کی پیداوار ہے یا اس کے زیرِ اثر تخلیق ہوا ہے اس میں ایک نشاط کی خاص کیفیت ملتی ہے۔ ایک بے باکی کا رجحان نظر آتا ہے حتیٰ کہ ہمیں غالب جیسا بڑا شاعر بھی دامن کو حریفانہ کھینچنے کی خواہش کرتا نظر آتا ہے۔

مومن اور داغ کے ہاں تو یہ کیفیت ہمیں اپنے عروج پر دکھائی دیتی ہے کیونکہ اس دور میں دربار کے علاوہ کوٹھوں اور بازارِ حسن کا تصور معاشرتی زندگی کا اہم پہلو بن گیا تھا اور طوائف ایک مقبول محاورے کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ چنانچہ اس دور کے ادب پر بھی اس تمام رنگینی کی چھاپ بڑی نمایاں نظر آتی ہے۔ شاعر جہاں مناظرِ فطرت سے متاثر ہوتے ہیں وہاں انسانی حسن اور اس کی حشر سامانی اس کے دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ حمد پڑھتے ہوئے جو تشبیہیں، استعارے اور حوالے ہمیں نظر آتے ہیں۔ وہ اپنے خالق کے ماحول کو پیش کرتے ہیں مثلاً

تیری خوبصورتی دل کو موہ لیتی ہے

تیری محبت بازوؤں کو کمزور کر دیتی ہے

تیری خوش اندامی ہاتھوں کو آرام پہنچاتی ہے

اور تجھے دیکھ کر دل ہلکے ہو جاتے ہیں۔ [۱۱]

یہ حمد واضح طور پر ایک مجازی رنگ لیے ہوئے ہے۔ دراصل مصری اپنے دیوتاؤں کے بارے میں خیال کرتے تھے کہ اُن کی خواہشات بھی عام انسانوں جیسی ہیں۔ اس حمد میں اپنے دیوتا کی خوبصورتی کا بیان، اس کے قرب کی خواہش اور اس کے پیکر کی نزاکت پھر اس کے حسن اور پیکر کی نزاکت سے پیدا ہونے والے حظ کی کیفیت یعنی جب وہ ہاتھوں کو چھوتا ہے تو ایک لطیف احساس جنم لیتا ہے پھر اسے دیکھ کر دل ہر چیز سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ یہ تمام بیان بڑا مکمل ہے یہاں حقیقت اور مجاز میں کم فاصلہ ہے۔

ایک اور حمد میں دیوی کی تعریف یوں آتی ہے۔

لمبے ڈگ بھرنے والی اے عظیم (دیوی)

جو سبز پتھر، ملاکیت فیروزے، ستارے کاشت کرتی ہے

چونکہ تو سبز ہے، تینی سو بھی سبز ہو

زندہ نرسل کی طرح ۱۲

اس حمد میں آسمان کی دیوی نوت کو ستارے کاشت کرنے والی کہہ کر شاعر نے بڑی خوبصورت مثال دی ہے۔ سبز پودے اور فیروزے کا جو استعارہ استعمال کیا گیا ہے اس سے مراد زندگی ہے۔ آج بھی ہم سبزے کو زندگی کی علامت اور اس کے پھلنے پھولنے کا استعارہ قرار دیتے ہیں۔ آسمان نیلا اور سمندر کا رنگ بھی نیلا ہے جو زندگی کے لیے ضروری ہے گویا بڑی خوبصورت دعا ہے زندگی کی ایک خوبصورت زندگی کی جو ایک فرعون کو دی جارہی ہے۔

مندرجہ بالا دونوں حمدوں میں جس طرح دیوتا کی توصیف کی گئی ہے۔ جس طرح اُن کے قرب کی خواہش، خوشگوار زندگی کی خواہش اور درازیٔ عمر کی دعا جس انداز میں کی گئی ہے وہ بہت خوبصورت ہے۔ جتنے بھی استعارے، اشارے اور تشبیہیں استعمال کی گئی ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور کا مذہب جمالیاتی پہلو کا حامل تھا۔

اخناتون کی حمدیں نیچرل شاعری کی خوبصورت مثالیں ہیں۔ وہ فطرت کا دلدادہ تھا۔ ہم ورڈز ورتھ کو پہلا نیچرل شاعر تسلیم کرتے ہیں لیکن اگر مصری شاعری اور بالخصوص اخناتون کی شاعری کا دیکھا جائے تو پہلا نیچرل شاعر اخناتون قرار پاتا ہے۔ وہ فطرت سے متاثر ہوتا ہے اور پھر فطرت کے خالق کی ثنا کرتا ہے۔ قدیم مصری شاعری میں جمالیاتی پہلو کے ساتھ ساتھ اسرار اور دیومالائی کیفیت بھی نظر آتی ہے۔ دیومالائی قصے ہمیشہ ادب میں دلچسپی کا باعث رہے ہیں۔ ہمارے ہاں جو ادب تخلیق ہو رہا ہے اس میں بھی دیومالا کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ قدیم داستانوں میں تو دیومالائی عنصر اور اسرار اپنے پورے عروج پر دکھائی دیتا ہے۔

یہ تمام حمدیں موضوع کے اعتبار سے یکساں اور تعریف و توصیف کی حامل ہیں لیکن چونکہ دیوی دیوتا الگ الگ ہیں اور ان کے اوصاف جدا جدا ہیں اس لیے حمدوں میں موجود جذبات بھی مختلف ہیں اور یہی بات حمدوں کو ایک دوسرے سے مختلف بناتی ہے۔ ہر حمد اپنے دیوتا کے مزاج کی عکاس ہے اور اپنے تخلیق کار کے مزاج کی آئینہ دار ہے۔

قدیم مصری ادب کا مطالعہ گواہ ہے کہ یہ ادب زرخیز اور جاندار ہے اور اپنے اندر ادبی تنقید کے موجودہ معاصر کو تبدیل کرنے کی توانائی رکھتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابنِ حنیف،۱۹۸۸ء،''مصر کا قدیم ادب''، جلد دوم،سوم، چہارم، ملتان: بیکن بُکس ،ص۵۵۹۔۵۵۸۔

۲۔ ایضاً،ص۵۸۵۔۵۸۴۔

۳۔ ایضاً،ص۵۸۸۔

۴۔ ایضاً،ص۷۱۵۔۷۰۹ (مختلف سطریں)

۵۔ ایضاً،ص۷۲۰۔

۶۔ ایضاً،ص۷۴۲۔

۷۔ ایضاً،ص۷۰۷۔۷۰۲۔

۸۔ ایضاً،ص۷۴۸۔

۹۔ ایضاً،ص۷۱۶۔

۱۰۔ ایضاً،ص۷۸۵۔

۱۱۔ ایضاً،ص۷۱۶۔

۱۲۔ ایضاً،ص۷۷

کتابیات

۱۔ ابنِ حنیف،۱۹۸۸ء،''مصر کا قدیم ادب''، جلد دوم،سوم، چہارم، ملتان: بیکن بُکس۔

۲۔ ابنِ حنیف،۱۹۹۰ء،''بھولی بسری کہانیاں''، ملتان: بیکن بُکس۔

۳۔ عہد نامہ قدیم